

## الشیخ المراغی اور ان کی تفسیری خدمات

ڈاکٹر جمیلہ شوکت\*

انیسویں صدی کے نصف آخر میں سرزمین مصر کے آسمان علم و ادب پر دین، معاشرت اور سیاست کے میدان میں جو شخصیتیں نمایاں ہو کر ابھریں ان کے سرخیل محمد عبده تھے۔ محمد عبده کی ہمہ گیر شخصیت نے مصر کی دینی، سماجی اور سیاسی زندگی میں صحت مند اور ہمہ گیر انقلاب پیدا کیا۔ نوجوان طالب علموں کا ایک گروہ اس مصلح کی آراء و افکار اور اصلاحی پروگرام سے حد درجہ متاثر ہوا اور ان کے حلقہ عقیدت میں شامل ہو گیا۔ ان نوجوان شاگردوں میں سے بعض نے محمد عبده کے اصلاحی پروگرام کو نہ صرف عملی صورت دینے کی بھرپور سعی کی بلکہ اس کو پورے خلوص اور دیانت داری کے ساتھ آگے بھی بڑھایا اور یوں مصر کی تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل کیا۔ ان ہی شخصیات میں سے ایک اہم اور قابل تکریم ہستی الشیخ محمد مصطفیٰ المراغی کی تھی۔ اس وقت ہم اختصار کے ساتھ ان کی زندگی کے حالات اور تفسیر کے سلسلے میں ان کی خدمات کا جائزہ لیں گے۔

محمد مصطفیٰ بن محمد بن عبدالمنعم المراغی ۱۳۹۸ھ / ۱۸۸۱ء میں مراغہ کے ایک متدین اور علم دوست گھرانے میں پیدا ہوئے۔<sup>(۱)</sup> ان کے آباء و اجداد اپنی دیانت اور تقویٰ شعاری کی وجہ سے اہل قریہ میں محترم و معزز گردانے جانے تھے۔ شیخ مراغی کے والد مراغہ کے قاضی تھے۔<sup>(۲)</sup> انہوں نے اپنے اس بچے کی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دی اور وہاں کی مروجہ روایت کے مطابق تعلیم کا آغاز کلام پاک سے ہوا والد نے اس دوران بیٹے کو دیگر علوم سے بھی متعارف کرایا۔ قرآن حکیم پڑھنے کے بعد انہیں مطابیح دیا گیا اور کچھ عرصہ وہاں تعلیم حاصل کی۔ پھر جلد ہی عازم قاہرہ ہوئے اور مصر کے مشہور دینی ادارے جامعہ الازھر میں داخلہ لیا۔<sup>(۳)</sup> ان دنوں محمد عبده الازھر میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مراغی ان کے طریق تدریس سے بہت متاثر ہوئے اور جامعہ الازھر اور اس سے باہر کے ان کے تمام دروس میں شریک ہوئے۔

\* پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی

محمد عبده کے یہ لیکچر بالخصوص علم بلاغت، تفسیر، تاریخ اسلام اور علم معاشرت پر ہوتے تھے۔<sup>(۴)</sup> یوں مراغی اپنے استاد کے مکتب فکر سے وابستہ ہو گئے۔ مصطفیٰ المراغی بچپن ہی سے ذہین و فطین تھے، اور انہوں نے نہایت محنت اور لگن سے علم کی منازل طے کیں اور بالآخر ۱۹۰۳ء میں جامعہ الازھر کی اعلیٰ تعلیمی سند حاصل کی۔<sup>(۵)</sup> انہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ الازھر کی تاریخ میں اس ڈگری کو حاصل کرنے والوں میں سب سے کم عمر طالب علم تھے۔<sup>(۶)</sup>

مصطفیٰ المراغی نے ”العالمیت“ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد عملی میدان میں قدم رکھا۔ الازھر کے قواعد کے مطابق اعزاز کے ساتھ ڈگری حاصل کرنے والے طالب علم کو الازھر ہی میں تدریس کے فرائض سونپے جاتے تھے۔ لہذا المراغی بھی اگست ۱۹۰۳ء میں اسی ادارے سے منسلک ہو گئے اور اکتوبر ۱۹۰۶ء تک یہ فرائض سرانجام دیتے رہے۔<sup>(۷)</sup>

نومبر ۱۹۰۳ء / ۱۳۲۲ھ میں دنقلہ (سوڈان) کے قاضی مقرر ہوئے۔<sup>(۸)</sup> اس عظیم اور باہمت عالم نے اس پسماندہ علاقے میں عمدہ قضا قبول کیا اور بہت جلد اپنی فرض شناسی اور دیانت کی بدولت دنقلہ کے عوام میں ہر دلچیز ہو گئے۔ ۱۹۰۶ء میں بحیثیت قاضی ان کا خرطوم تبارک ہو گیا۔<sup>(۹)</sup> سوڈان کے قاضی القضاة سے بعض اختلافات کی بنا پر ۱۹۰۷ء میں مصر واپس آ گئے اور اسی سال مصر کی وزارت اوقاف کے مدیر مقرر ہوئے اور الازھر میں بھی تدریس کے فرائض سرانجام دینے لگے۔<sup>(۱۰)</sup>

۱۹۰۸ء میں بعض شرائط کے ساتھ سوڈان کے قاضی القضاة کا عمدہ قبول کیا۔<sup>(۱۱)</sup> اس منصب پر فائز ہونے کے بعد مراغی نے عوام میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی اور ان کی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب انہوں نے انگریزی زبان سیکھی۔<sup>(۱۲)</sup> شیخ نے محکمہ قضاء میں بعض بنیادی اور دور رس تبدیلیاں کیں۔ شرعی فیصلوں میں جمود کو ختم کیا، کسی ایک مذہب کا پابند ہونے کے بجائے حالات و ضرورت کے مطابق مختلف مذاہب کے مطابق فیصلے دیئے۔<sup>(۱۳)</sup> شخصی احوال کی تنظیم نو کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی۔ قانون کے صحیح نفاذ کے لیے قاضی کے فرائض اور اس کے کردار کی اہمیت کو متعین کیا۔ فرماتے ہیں:

ان اصلاح القانون اصلاح لنصف القضاء اما اصلاح النصف الآخر فهو بيد القاضی نفسه؛ لان عليه ان يفهم الوقائع اولاً كما هي بعد تلمس ادلتها ونقدھا و الموازنة بينها<sup>(۱۴)</sup>

یعنی قضا اور فیصلوں کی اصلاح کا نصف حصہ قوانین کی اصلاح پر منحصر ہے جب کہ دوسرے نصف کا مدار خود قاضی کی ذات پر ہے۔ قاضی پر لازم ہے کہ وہ دلائل کو

سنے، ان پر نقد و جرح کرنے اور موازنہ کرنے سے پہلے حالات و واقعات اور حادثات کو اچھی طرح سمجھے۔

سوڈان میں طویل قیام کے بعد ۱۹۹۹ء میں مصر واپس آئے اور ۱۹۹۹ء کی اس تحریک میں بھی حصہ لیا جو مصریوں نے اپنے حقوق کی بازیافت کے لیے چلائی تھی۔ (۱۵) اس کے بعد مصر میں مختلف عدالتی مناصب پر فائز رہے۔ ۱۹۲۳ء میں المحکمة العليا الشرعیہ (اعلیٰ شرعی عدالت) کے رئیس و امیر مقرر ہوئے۔ (۱۶) اسی عرصے میں حکومت کو الازھر کے معاملات حل کرنے اور ان کے مطالبات پر غور کرنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کرنا پڑا، مصطفیٰ المراغی کو بھی اس کا رکن منتخب کیا گیا۔ (۱۷) بحیثیت رکن انہوں نے الازھر کی بہتری اور تعمیر کے لیے ٹھوس تجویز پیش کیں اور بالآخر ۱۹۲۸ء میں وہ شیخ الازھر مقرر ہوئے۔ (۱۸) اس دور میں انہوں نے الازھر کے تعلیمی، تنظیمی اور مالی معاملات کی اصلاح کی طرف توجہ دی اور محمد عبدہ کے اصلاحی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا عزم کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں الازھر نے جو ایک قدامت پسند ادارہ تھا ترقی کے مراحل طے کرنے شروع کر دیئے۔ وہ علوم جو الازھر کے طالب علموں کے لیے شجر ممنوع تھے ان کا اجراء کیا اور ان کے درس و تدریس کا اہتمام ہوا۔ اس کے علاوہ یہاں کے طلبا کو مغربی تعلیمی اداروں میں بھیجا گیا۔ مراغی نے اگر ایک طرف عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اصول و ضوابط میں ترمیم و تبدیلی کی تو دوسری طرف اسلامی علوم و معارف کو ان کا صحیح مقام دیا اور ان کی تحصیل اور اسلام پر عمل پیرا ہونے کو مسلمان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کی کامیابی کا ضامن قرار دیا۔ الازھر کے قدامت پسند طبقے نے ان اصلاحات کو اسلام کے خلاف سازش قرار دیا اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ مراغی نے اس طبقے کی نکتہ چینی سے بچ کر استعفیٰ دے دیا۔ (۱۹)

مراغی تو ایک مختصر عرصے کے لیے الازھر کے شیخ رہے لیکن ان کی اصلاحات اور کارناموں کی وجہ سے یہ عرصہ الازھر کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مراغی کے استعفیٰ کے بعد الازھر کی حالت دگرگوں ہو گئی اور بالآخر یہ بات سامنے آگئی کہ الازھر کو مراغی کی ضرورت ہے۔ (۲۰) ارباب سب و کشا نے ان کو دوبارہ اس عہدہ جلیلہ پر لانے کی سعی کی اور اس طرح ۱۹۳۵ء / ۱۳۵۳ھ میں وہ دوبارہ عزت و اکرام سے اس منصب پر فائز ہوئے۔ (۲۱) الازھر تاریخ کے نئے دور میں داخل ہوا۔ اس موقع پر المراغی نے ایک جامع خطاب کیا جس میں انہوں نے اصلاح کے مقاصد کو واضح کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ امت مسلمہ جو علوم و معارف میں مغربی اقوام سے پیچھے رہ گئی ہے اس کمی کو پورا کرے، کتاب و سنت کو سیکھے، اسلاف کے علمی ذخیرے کی چھان بین کرے اور اسے منظر عام پر لائے۔ انہوں نے اسلام کو اس کے حقیقی رنگ میں پیش کرنے پر زور دیا اور اہل علم

لوزذہبی تعصبات و اختلافات کو ختم کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ (۲۲)

### مراغی اور محمد عبده

المراغی اپنے استاد محمد عبده کے فکر اور طریق اصلاح سے بہت متاثر تھے۔ مسند درس و تدریس ہو یا کرسی عدل و انصاف مراغی نے استاد کی طرح ہر موقع پر امت مسلمہ کے لیے دعوت و ارشاد اور اصلاح کو مد نظر رکھا۔ استاد اور شاگرد کے اس قریبی تعلق اور اثر پذیری کی تائید اہل علم کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ قاہرہ میں متعین سفیر افغانستان سید مجددی کا قول ہے۔

ان الشیخ المرأغی کان خلاصۃ علوم و افکار الشیخ محمد عبده (۲۳)  
شیخ مراغی اپنے استاد محمد عبده کے افکار و علوم کا نچوڑ اور عطر تھے۔

الشیخ محمد شلتوت فرماتے ہیں:

ان الشیخ المرأغی ماخرج بروحه و عقله و تفکیرہ عن ان یکون تلمیذ  
الاستاذ الامام عبده (۲۴)

شیخ مراغی علم و فہم اور عقل اور فکر کے اعتبار سے صحیح معنوں میں محمد عبده کے شاگرد تھے۔

وہ جب دنقلہ (سوڈان) اور مصر کی مسند انصاف پر متمکن تھے اس وقت بھی انہوں نے استاد کی اس نصیحت کو پیش نظر رکھا:

انصحک ان تکون الناس مرشدا اکثر من ان تکون قاضیا و اذا استطعت ان تحسم  
النزاع بین الناس بصلح فلا تعدل عنه الی الحکم فان الاحکام سلاح یقطع  
العلاقات بین الامیر و الصلح دواء تلثم بہ النفوس و نداوی بہ الجراح (۲۵)

کرسی عدالت پر ایک قاضی اور منصف سے زیادہ صلح کے فرائض سرانجام دینا زیادہ بہتر ہے۔ اگر لوگوں کے جھگڑے اور نزاعات آپس میں صلح و صفائی سے طے ہو سکتے ہوں تو قانون کا سہارا نہ لیا جائے کیونکہ بعض اوقات قوانین و احکام کے نفاذ و اجراء سے خاندانی تعلقات و روابط مجروح ہوتے ہیں جب کہ صلح و صفائی ایک ایسی دوا ہے جو دلوں کو باہم جوڑتی اور زخموں کا مداوا بنتی ہے۔

### المراغی اور سیاست

شیخ مراغی دین و سیاست کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے؛ جیسا کہ محمد عبداللہ السمان کہتے ہیں کہ

مراغی کے دینی پہلو کو سیاست سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔<sup>(۲۶)</sup> شیخ کے سیاست میں حصہ لینے کا اصل محرک دین و سیاست میں تفریق کے رجحان کو ختم کرنا تھا۔ السمان کہتے ہیں:

كان حريصا على ان نظل الدولة جزءا من الاسلام وليس الاسلام عالة على الدولة<sup>(۲۷)</sup>

ان کی خواہش تھی کہ حکومت، اسلام کا حصہ بنے نہ کہ اسلام حکومت کا محتاج اور ضرورت مند ہو۔

بعض گوشوں سے ان کی سیاست میں شمولیت پر اعتراض کئے گئے جیسا کہ المجددون فی الاسلام کے مولف کہتے ہیں:

وما كان احسن له لوزنك الاشتغال بهذه السياسة وانصرف الى اصلاح الازهر على نحو ما اراد في المرة الاولى الاشتغال بالسياسة لم يكن من شانہ<sup>(۲۸)</sup>

کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ سیاست میں حصہ نہ لیتے اور الازھر کی اصلاح کا کام اسی طریق پر کرتے جس طریق پر پہلی دفعہ کیا تھا، کیونکہ سیاست میں حصہ لینا مراغی ایسی شخصیت کو زیب نہیں دیتا۔

سیاست میں ان کی بصیرت و مہارت کا اندازہ استاذ عباس العقاد کے اس قول سے ہو جاتا ہے وہ کہتے ہیں:

اظن ان الشيخ المراغى تمكنه من العلوم الدينية خلق للسياسة وتنظيم الادارة<sup>(۲۹)</sup>

میرا خیال ہے کہ بلوچود اس حقیقت کے کہ مراغی کو دینی علوم پر قدرت حاصل تھی، لیکن دراصل وہ سیاست اور معاملات کی تنظیم کے لیے پیدا ہوئے تھے۔

### خدمات دین

المراغی کا یہ کارنامہ اور خدمات سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں کہ انہوں نے اپنی ساری عمر دین کی سرپرندی اور مسلمانوں کی خدمت میں گزاری۔ نئی نسل کو دین کی طرف راغب کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہیں حصول علم کی ترغیب دلائی، وقت کے تقاضوں کو سمجھنے اور ان سے عمدہ برآ ہونے کے لیے ان کے ذہنوں کی آبیاری کی۔ قرآن و سنت کی تعلیم پر زور دیا اور واضح کیا کہ ان کی تعلیم کا مقصد بندے اور رب کے درمیان رابطہ اور تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔ امت مسلمہ کی وحدت پر زور دیا اور اس نکتے کو واضح کیا کہ معاشرے میں جو بہت سے گروہ اور فرقے مذہب کے نام پر وجود میں آگئے ہیں وہ امت کی وحدت کے تارپود کو بکھیرنے اور شیرازت

کو منتشر کرنے والے ہیں۔ معاشرے سے کینہ، بغض، حسد اور عداوت ایسی بیماریاں اتحاد کی صورت میں دور ہو سکتی ہیں۔ فرماتے ہیں:

يجب العمل على ازالة الفروق المذهبية لتوضيق شقة الخلاف بينهما فان  
الامة فى محنة من هذا التفرق ومن العصبية لهذه الفرق (۳۰)

وحدت امت کے لیے ضروری ہے کہ مذہبی فرقوں کو ختم کیا جائے یا ان کے درمیان اختلاف کم کیا جائے کیونکہ ان فرقوں کے تعصب نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

انہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعے مختلف انداز اور طریقوں سے امت مسلمہ کو یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ان کی سر بلندی کا راز احکام الہی کی پیروی میں منحصر ہے۔ کہتے ہیں:-  
لوگوں نے جب تک قرآن کے احکام پر عمل کیا سعادت و خوش نصیبی ان کو حاصل رہی اور جب وہ اس سے دور ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجے میں ان پر ذلت و بے کسی طاری کر دی اور ان کی یہ حالت ہو گئی کہ لوگوں سے معمولی باتوں میں بھی خوف کھانے لگے اور زندگی کے تمام معاملات میں اغیار کے محتاج ہو گئے۔ رفتہ رفتہ وہ اس حالت تک پہنچ گئے کہ ان کا یہ ایمان ہو گیا کہ جو قوانین معاشرت و اخلاق دوسروں کے پاس ہیں وہ صحیح ہیں اور جو کچھ ان کو دیا گیا ہے وہ غلط ہے۔ ان کی زندگی اور ترقی کا دار و مدار صرف اغیار کی پیروی میں مضمر ہے۔ ایسے مسلمان اسلام کے نام پر ایک بدنما داغ ہیں اور دین اسلام ان کے اس غلط طرز عمل سے بری ہے۔ (۳۱)

اسلام کی حدود و قیود سے بیزار طبقے پر وضاحت کرتے ہیں کہ اسلام زندگی کے تمام معاملات میں حریت و آزادی کا علمبردار ہے، لیکن چوپاؤں اور بہائم کی سی آزادی اس کا مقصود نہیں۔ وہ ایسی آزادی کا ضامن ہے جو بنی نوع انسان کی دینی اور دنیوی فلاح و کامرانی کا ضامن ہو۔ (۳۲)

## وفات

یہ عظیم مصلح اور اجل عالم وفات سے کچھ دن قبل بغرض آرام ہسپتال میں داخل ہوئے، لیکن یہاں بھی فرانض منہی سے غافل نہ رہے اور حسب سابق ان دنوں میں بھی دروس قرآن دیتے رہے۔ اچانک ۱۳ رمضان ۱۳۶۳ھ (۲۲ اگست ۱۹۴۵ء) کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انہیں قاہرہ میں سیدہ نفیسہ کے مقبرے کے نزدیک دفن کیا گیا۔ (۳۳) شیخ مراغی کی وفات عالم

اسلام بالخصوص اہل مصر کے لیے سانحہ عظیم تھی اہل مصر نے اپنے اس عظیم اور ہمدرد راہنما کو اس کے شایان شان خراج عقیدت پیش کیا۔<sup>(۳۴)</sup>

## تصانیف

المراغی نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں۔ یہ تصانیف دین اور ادب دونوں سے متعلق ہیں جن میں سے چند یہ ہیں مباحث لغویہ بلاغیہ کتاب الاولیاء والمحبورین بحوث فی التشريع الاسلامی الاجتهاد فی الاسلام الزمالة الانسانية بحث فی ترجمة القرآن الی اللغات الاجنبیة واحکامها۔ قرآن حکیم کی مختلف سورتوں اور آیات کی تشریح و تفسیر۔ سورۃ لقمان، المدید اور العصر پر مشتمل مجموعہ تفسیر حدیث رمضان کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

## خدمات تفسیر

المراغی نے عام مفسرین کے نیچ پر پورے قرآن حکیم کی تفسیر نہیں کی بلکہ صرف ان سورتوں کو موضوع بحث بنایا جن میں ان کے نقطہ نظر سے نوع انسانی کے لیے عبرت و موعظت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور عظمت پر دلالت کرتی ہیں یا جن سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام علوم جدیدہ کی تحصیل پر زور دیتا ہے اور اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ یہ تفسیری اسباق بالعلوم ماہ رمضان میں ہوتے اور مختلف مساجد میں ان کا انعقاد کیا جاتا۔ ان کے یہ تفسیری دروس اتنے پر مغز، جامع اور نافع ہوتے کہ عوام سے لے کر خواص اور حکام وقت بھی ان میں شرکت کرتے۔ یہ اسباق ریڈیو پر نشر ہوتے اور اس طرح مصر اور مصر سے باہر وہ لوگ بھی مستفید ہوتے جو ان میں شرکت سے محروم رہتے۔ گو کہ المراغی کا تفسیری سرمایہ حجم و کیت کے اعتبار سے بہت تھوڑا ہے لیکن جب ہم اس کے اثرات پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا تردد کہنا پڑتا ہے کہ اثر آفرینی کے اعتبار سے یہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ محمد حسین الذہبی اسی کیت اور کیفیت پر تبصرہ کرتے ہوئے اسے بہت بڑا کارنامہ قرار دیتے ہیں۔<sup>(۳۵)</sup>

احمد مرتضیٰ المراغی ان کے مقصد اور طرز تفسیر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

”المراغی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ تفسیر صحیح معنوں میں قرآن حکیم کی وضاحت کرنے والی اور اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھانے والی ہو اور اس کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو قرآن کے جمال اور جلال کو قائم و باقی رکھیں اور غیر ضروری

نیز غریب الفاظ سے پاک ہو۔ (۳۶)

شیخ شلتوت رقم طراز ہیں کہ المراغی کی تفسیر نے لوگوں کی صحیح راہنمائی کی اور انہیں دین کی طرف مائل کیا اور وہ ہدایت و نور کا منار ثابت ہوئے۔ (۳۷)

مصطفیٰ محمد الحیدری ان کے تفسیری محاسن کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”ان کے دروس سے کوئی آکتاتا نہیں، لمبیتیں ان کے محاسن اور بدائع کو بغیر کسی آکراہ کے قبول کرتی اور روح کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ ان محاسن کی وجہ سے اگر لوگ ان میں جوق در جوق شریک ہوتے اور اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔“ (۳۸)

### مصادر تفسیر

المراغی کے مصادر تفسیر میں سرفہرست قرآن حکیم، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اقوال و آثار صحابہ و تابعین تھے۔ سب سے پہلے وہ آیت کی تفسیر کے لیے قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے کہ القرآن یفسر بعضہ بعضا اور احادیث رسول بھی کثرت سے بیان کرتے۔ بعض وقت وہ ماخذ حدیث کا ذکر کرتے اور بعض وقت صرف ”حدیث صحیح“ کہنے پر اکتفا کرتے۔ تفسیر قرآن کے ضمن میں سنت کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وخیر ما یفسر بہ کتاب اللہ ما صح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳۹) وہ دوران تفسیر بعض مقالات پر قدیم مفسرین کے اقوال و آراء کا ذکر بھی کرتے، وہ ان کی فضیلت کے معترف تھے۔ بعض مقالات پر نہایت شائستہ الفاظ میں ان پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ اسلاف کی کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ماہو الاثمرات من اغراس اسلافنا القدیم وزہرات من ریاضہم (۴۰)

”یعنی یہ اقوال اور کوششیں ہمارے اسلاف کی کوششوں کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔“

المراغی بالعموم زبردورس آیت میں وارد بعض تشریح طلب الفاظ کی علیحدہ وضاحت کرتے ہیں اور بعض اوقات کسی لفظ کی مختلف قراءات کا بھی بیان کرتے اور نحوی و لغوی نکتے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ پورا زور بیان آیت میں مذکور مرکزی موضوع پر صرف کردیتے ہیں۔

### تشابہات قرآن میں ان کا موقف

المراغی نے تشابہات قرآن کے ضمن میں اپنے استاد محمد عبدہ کی پیروی کی ہے۔ وہ قرآن کے



مختصر اور اجمالی واقعات کی تفصیل میں جانے سے حتی الوسع گریز کرتے ہیں۔ ان جزئیات کی تفصیل کے لیے نہ ضعیف احادیث کا سہارا لیتے ہیں اور نہ اسرائیلی قصص و روایات کو بیان کرنا پسند کرتے ہیں۔ حروف مقطعات کی تفصیلی بحث میں نہیں جاتے۔ الم کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

هذه وامثالها من اسماء حروف الهجاء التي ابتدا بعض سور القرآن اسماء  
للسور المبتدأة بها ولا يجوز حملها على غير ذلك (۳۱)

الم اور اس جیسے دوسرے الفاظ حروفِ حتمی میں سے ہیں جن سے بعض سورتوں کا آغاز کیا گیا ہے اور ان پر سورتوں کو موسوم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کو دوسرے معانی پر محمول کرنا مناسب نہیں۔

آیت سارعو آلی مغفرة من ربکم و الجنة (آل عمران: ۱۳۲) کی تفسیر کرتے ہوئے جنت کے بارے میں اتنے بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو قرآن کے ظاہری الفاظ سے ذہن میں آتا ہے اور اس بحث کو ان الفاظ پر ختم کر دیتے ہیں۔ والبحاث فی هذا لافائدة له ولا طائل نحتنه (۳۲)

”یعنی اس بحث کا نہ کوئی فائدہ ہے نہ کوئی مقصد۔“

آیت کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم (البقرہ: ۱۸۳) کی تشریح میں آیت کے ظاہری مفہوم پر اکتفا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوام گذشتہ پر بھی روزے فرض کیے گئے تھے لیکن اس کی کیفیت اور مقدار کے بارے میں قرآن میں وضاحت نہیں کیونکہ حرف تشبیہ سے تمام امور و معاملات اور پہلوؤں میں مماثلت لازم نہیں آتی۔ (۳۳)

ولقد اتینا لقمان الحکمة (لقمان: ۱۲) اس آیت کی تفسیر میں المرائی سے قبل مفسرین نے لقمان کی شخصیت اور قومیت کے بارے میں متعدد آراء و اقوال پیش کیے ہیں۔ لیکن المرائی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ تمام روایات جو ان کی شخصیت سے منسوب کی گئی ہیں غیر مستند ہیں۔ حضرت لقمان کی شخصیت اور عظمت ان سب سے مستغنی ہے۔ (۳۴)

هو الذی خلق السموت والارض فی سنته ایام (الحدید: ۴) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیت میں مذکور ”ایام“ سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ آیا یہ دن ہمارے دنوں کی طرح تھے یا اس سے مختلف۔ اس کی حقیقت کا علم صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ لہذا ہم پر لازم ہے کہ اس کی تحدید سے اجتناب کریں۔ اگر ان ایام کی جنس کے تعین اور ان ایام میں جو کچھ قدرت نے کیا اس کی تفصیل بتانے میں کوئی فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور ہم کو اس سے باخبر کر دیتے۔

یہاں صرف اس کی تخلیق سے عبرت و موعظت حاصل کرنا مقصود ہے۔ (۳۵)

## اجتماعی مسائل

شیخ مراغی دوران تفسیر اجتماعی مسائل کی تفصیل میں جاتے اور نہ صرف معاشرے میں موجود خرابیوں کے اسباب و علل کی نشاندہی کرتے بلکہ ان کے لیے نسخہ کیما بھی تجویز فرماتے ہیں۔ برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کا رویہ سخن بالعموم اہل حل و عقد کی طرف ہوتا جن کے جور و استبداد کے نتیجے میں معاشرے میں بے شمار خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ شیخ اولی الامر کو ان کی ذمہ داریوں اور فرائض کا احساس دلاتے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ وہ حکام کی توجہ اس حقیقت کی طرف بھی منعطف کراتے ہیں کہ جب عقل انسانی کی پاسپانی کے لیے شریعت نہ ہو تو معاشرہ انتشار و افتراق کا شکار ہو جاتا اور جاوہ صواب سے منحرف ہو جاتا ہے۔ وہ تاریخ کی روشنی میں یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اقوام کی سر بلندی و عظمت کا راز ہدایت ربانی سے وابستگی و پیوستگی میں ہے جب کوئی قوم اس منارہ ہدایت سے روگردانی کرتی ہے تو بدبختی اور شقاوت اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

قل انزلہ الذی یعلم السر (الفرقان: ۶) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وقددلت النجارب علی ان المسلمین سعدوا ایام ان عملوا بالقرآن واهتدوا بہدیه؛ وشقوا ایام ان اعرضوا عنہ وترکوه ولبس حفظہ و نلاونہ و تجویدہ هو العمل بہ؛ وانما العمل بہ هو فہمہ؛ وادراک الاغراض العامۃ منہ وملاحظۃ ان نکون الاعمال جمیعہا فی ہذہ الدائرۃ دائرۃ الحق والعدل والعلم والزشد (۳۶)

تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ جب مسلمانوں نے احکام قرآن پر عمل کیا، خوش بختی نے ان کے قدم چومے اور جب اس کو پس پشت ڈال دیا تو بدبختی ان کا مقدر بنی۔ قرآن کو حفظ کرنے، اس کی تلاوت کرنے اور تجوید سے پڑھنے پر عمل کا اطلاق نہیں ہوتا قرآن پر عمل سے مراد یہ ہے کہ پہلے اس کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اس کی غرض و غایت معلوم کی جائے اور اس بات پر نظر رہے کہ اس کے تمام اعمال دائرہ حق عدل وانصاف اور علم و رشد میں رہیں۔

المراغی معاشرے کو صحیح بنیادوں پر قائم رکھنے کے لیے قوت و طاقت سے تعزیرات کے نفاذ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ لقد ارسلنا رسلنا . . . . (الحمد: ۲۵) کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ذکر اللہ الکتاب والمیزان والحديد و قرنها بعضها ببعض فالکتاب اشارۃ الی

الاحكام المقتضية للعدل والانصاف، والميزان اشارة الى سلوك الناس على وفق هذا الاحكام والحديد اشارة الى ما يحملهم الى اتباع هذا الاحكام اذا نمر دوا<sup>(۳۷)</sup> اس آیت میں ”الکتاب“ ”المیزان“ اور ”الحديد“ کا ساتھ ساتھ ذکر ہوا ہے۔ یہاں ”الکتاب“ سے مراد ایسے احکام ہیں جو عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوں۔ ”المیزان“ سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ لوگ ان احکام پر عمل پیرا ہوں اور اس کے مطابق زندگی بسر کریں اور ”الحديد“ میں اس بات کی طرف راہنمائی ہے کہ معاشرے کا غیر پسندیدہ عنصر جب ان احکام سے روگردانی کرے تو انہیں کس طرح اتباع احکام کی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔

وہ معاشرے کے جدت پسند اور مغرب زدہ طبقے کی منافقت اور غلط روش کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ طبقہ اسلام کی ایسی تعبیر چاہتا ہے جو ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ یہ طبقہ اگرچہ زبان سے اللہ پر ایمان لاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا ہے لیکن عملی زندگی میں جب احکام الہی اور رسول ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی بات آتی ہے تو اسے رجعت پسندی سے تعبیر کرتے ہیں۔

ومن الناس من يشترى لهُو الحديث (لقمان: ۶) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔  
من الناس فريق مومن بالقرآن اجمالا و برسالة محمد و يعظهما و يحترهما فاذا قلت له: ولم لا تقطع يد السارق و يحد القاذف ولماذا لا تحكم القرآن في الحياة ونحن مومنون به؟ هز الكتفين فابتسم اوزاد: انها رجعية لا يحتملها تمدن العصر الحديث<sup>(۳۸)</sup>

لوگوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو قرآن اور رسالت محمدؐ پر اجمالا اعتقاد تو رکھتا ہے اور ان کا احترام و تعظیم زبان سے بھی کرتا ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم چور کے ہاتھ کاٹنے اور تہمت لگانے والے پر حد جاری کرنے میں کیوں پس و پیش کرتے ہو اور قرآن کو اپنی زندگی میں حکم کیوں تسلیم نہیں کرتے باوجود اس امر کہ تم اس پر ایمان رکھتے ہو۔ جواباً ”مسکرا دیتے اور کندھے اچکاتے اور ہلادیتے ہیں یا اس سے زیادہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تمام باتیں رجعت پسندی پر دلالت کرتی ہیں عصر جدید اور تمدن نو میں ان باتوں کی گنجائش نہیں۔

معاشرے میں باہمی اخوت و محبت کے داعی ہیں۔ دوران تفسیر جہاں بھی موقع ملتا اور آیت کا مضمون اجازت دیتا تو وہ مسلمانوں کو باہم عزت و تکریم سے پیش آنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یا یہاں

الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباء (الحجرات: ۶) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مسلمان پر لازم ہے کہ جب کوئی خبر سنے تو اس کی صحت کی تصدیق کرے، کیونکہ بسا اوقات خبر کا بغیر تصدیق کے قبول کرنا باہم منافرت اور کشیدگی کا باعث بن جاتا ہے۔ حکام و امراء جن کے ہاتھ میں اپنی قوم کے معاملات کی زمام کار ہوتی ہے ان کو بالخصوص تلقین کرتے ہیں کہ وہ کوئی بات تصدیق کیے بغیر قبول نہ کریں ورنہ ان کے زبردست بھائی ان کے ہاتھوں ازیت و نقصان میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔<sup>(۴۹)</sup>

ولا تصعر خدک للناس (لقمان: ۱۸) کی تشریح میں رقم طراز ہیں کہ ان آیات میں اپنے نفس کی تربیت و تکمیل اور دوسروں کو تربیت دینے کو کہا گیا ہے اور اخلاق سے منع فرمایا گیا ہے آخر میں فرماتے ہیں ہکذا یودب اللہ عباده ویضمن کتابہ ما فیہ سعادتهم حتی لم یترک ادبہم فی المشی والحديث ولو کانت الحکمة النبی لونیہا لقمان والنبی قصہا اللہ فی القرآن ہی النبی السیادة علی الناس لکان حال العالم الیوم ارقی و ارفع واشرف واکمل و اہنا و اسعد ماہو علیہ الان<sup>(۵۰)</sup>

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ادب سکھاتا ہے۔ رب کائنات نے قرآن حکیم میں وہ تمام آداب بیان کر دیئے جس میں اس کی مخلوق کی بھلائی ہے حتیٰ کہ چلنے پھرنے اور گفتگو کے آداب کی تعلیم دی۔ وہ حکمت و دانائی جو لقمان علیہ السلام کو دی گئی، اگر آج لوگوں میں تھوڑی سی بھی ہوتی تو دنیا کی حالت کہیں اچھی، خوش کن اور کامل ہوتی اس حالت سے جس میں آج ہم ہیں۔

### قرآن اور علوم جدیدہ

شیخ زندگی کے تمام دواڑ میں اسلام کو جاری و ساری دیکھنے کے متمنی اور خواہش مند تھے۔ وہ مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو یہ درس دیتے نظر آتے ہیں کہ اگر وہ جمالت و جمود کی فضا سے نکل آئیں تو آج بھی اپنی عظمت گم گشتہ کو پاسکتے ہیں۔ کہتے ہیں:

تعلموا واعملوا اتعلموا فروع العلم جميعها لتنالوا الفخر والمجدد ولتكونوا اعزة واقیموا اساس الحضارة علی العلم والدين والاخلاق قوموا بوظيفة الامر بالمعروف والنهي عن المنکر<sup>(۵۱)</sup>

فخر و بزرگی حاصل کرنے کے لیے علوم کی تحصیل کرو اور حضارت کی بنیاد علم پر قائم کرو بشرطیکہ دین اور اخلاق اس کے موید ہوں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

کا فریضہ ادا کرو۔

علامہ محمد کریم علی کہتے ہیں:

وكان على مثل اليقين ان مجد الاسلام لن يكتب له الظهور ان لم يقرب بالعلم  
الجديد (۵۲)

”ان کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ اسلام کی عظمت اس وقت تک ظاہر نہ ہوگی

جب تک علوم نقلیہ کے ساتھ جدید علوم کو شامل نہ کر لیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ نے اپنے دروس میں ان آیات کا بالخصوص انتخاب فرمایا جو علم کے حصول پر زور دیتی اور اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ قرآن حکیم علوم جدیدہ کی تحصیل کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ سلف صالح کا نمونہ بھی اس بات پر واضح دلیل ہے کہ دین اسلام نے اپنے ماننے والوں سے تمام علوم کی تحصیل کا مطالبہ کیا ہے۔ مراغی ان علماء پر تنقید کرتے ہیں جو علوم جدیدہ کی تحصیل سے مسلمانوں کو روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اسلام کے خلاف ہے۔ وہ یہ بات واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ یہ خیال اور عقیدہ قرآن کے بنیادی مقاصد سے متصادم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن اقوام نے کائنات کے اسرار و رموز کا مطالعہ کیا انہوں نے سعادت و عزت حاصل کی اور ان سے اعراض و انماض ہی ذلت و کسب کا سبب بنا۔ کہتے ہیں:

وانى انصح قومى واهل ملتى بتوجيه الجهود الى الدراسات العلميه استشهدا ما  
لودعه الله جل شانہ فى معادن الارض ونباتها وحيوانها وما اودعه فى الهواء  
والضوء وغير ذلك من الموجودات فذلك خير مما نحن فيه دينا و دنيا (۵۳)  
میں اپنے اہل وطن کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی تمام تر کوشش تحصیل علم میں  
لگائیں اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں زمین کے اندر، نباتات و حیوانات، ہوا اور روشنی  
میں ودیعت فرمائی ہیں ان کا کھوج لگائیں اور ان سے استفادہ کریں، اس طرح ہم  
دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے موجودہ حالت سے بہتر ہو جائیں گے۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة (الانفال: ۶۰) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قوت  
کی تعبیر و تشریح زمانے اور وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس تیاری  
میں دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہیں بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ معلوم کریں کہ آج اگر دشمن سے  
مقابلہ کرنا ہو تو کس قسم کے ہتھیار درکار ہوں گے اور ان کو کس طرح بنایا اور بہتر طریق سے  
استعمل کیا جاسکتا ہے۔ (۵۴)

جدید علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ وہ قرآن، لغت عربی اور دوسرے نقلی علوم کی تحصیل پر

زور دیتے ہیں۔ وہ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے صرف اسی قدر تفصیل میں جاتے ہیں جتنی وہ قوم کو آمادہ اور بیدار کرنے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں:

ولیس من غرض مفسر کتاب اللہ ان یشرح عالم السموات ومادہ وابعادہ  
واقدارہ واوزانہ لکنہ یحب ان یلم بطرف یسیر منہ لیدل بہ علی القدرۃ الالہیۃ  
ویشیر الیہ للعظۃ والاعتبار (۵۵)

قرآن کے مفسر کا یہ کام نہیں کہ وہ آسمانوں کی تشریح میں گم ہو جائے، اس کے فاصلوں و وزن اور مادے کی بحث میں پڑ جائے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ ان آیات کی تفصیل کو اسی قدر بیان کرے جو اللہ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتی ہو اور اس میں کوئی عبرت و موظلت کا پہلو ہو۔

بعض مفسرین کی طرح قرآن کو فلسفے کے تابع کرنے اور ہر نئے نظریے کو کھینچ تان کر قرآن سے ثابت کرنے کے رجحان کے وہ سخت مخالف ہیں۔ کہتے ہیں:

”جب کبھی دنیا میں کوئی نئی اور انوکھی فکر منظر عام پر آتی ہے تو کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح اس کا تعلق اور ثبوت قرآن سے دیا جائے۔ یہ انداز فکر کتنا غلط ہے، کیونکہ انسانی علوم و معارف غیر مبطل اور اٹل حقیقتیں نہیں بلکہ ان میں تغیر و تبدیلی آتی رہتی ہے اور بعض وقت ایک فکر دوسری فکر کی بحث کی کلی طور پر نفی کر دیتی ہے جبکہ قرآن حکیم کے تمام اصول اٹل ہیں اور ان کی صحت میں ذرہ برابر شبہ کی گنجائش نہیں، بلاشبہ قرآن اخلاق فاضلہ کی تخم ریزی کرتا اور علم و ہدایت کی راہیں ہمارے سامنے کھولتا ہے اور بعض وقت قرآن کی بعض آیات کے بہتر فہم کا دارو مدار علوم فلیک و طبیعہ کے جاننے پر منحصر ہوتا ہے لیکن ان آیات کے بہتر فہم کا دارو مدار ان علوم و معارف کو حرف آخر اور قطعی قرار دینا نہیں۔ قرآن تو کتاب ہدایت ہے جو خالق و مخلوق اور باہم بندوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلق استوار اور مضبوط کرتی ہے۔“ (۵۶)

## فقہی مسائل

شیخ اگرچہ حنفی مسلک کے تھے لیکن یہ وابستگی تقلید کی حد تک نہیں تھی، نیز وہ دوسرے مذاہب کے بھی قدر دان تھے۔ فقہی مسائل میں متقدمین کی وہ آراء جنہیں درست سمجھتے، تسلیم کر لیتے۔ لیکن بعض اوقات وہ خود بھی اجتہاد کرتے اور تقلید کو ناپسند کرتے۔ اجتہاد کی تائید میں وہ

اسلاف کے مسلک کو پیش کرتے جنہوں نے پیش آمدہ مسائل کا حل کامل حرجت سے کام لے کر قرآن و سنت کی روشنی میں کیا۔ (۵۷) وہ ان علماء کو ہدف تنقید بناتے ہیں جنہوں نے اس تصور کو مسلمانوں میں عام کیا کہ اجتہاد کے دروازے بند ہو چکے ہیں اور تقلید کے سوا چارہ نہیں۔ اس تصور نے مسلمانوں کو قوت فکر اور عمل دونوں سے محروم کیا۔ کہتے ہیں:

انہم استکانوا فی القرون الاخیرة الی الراحة وظنوا ان لا مطمح لہم فی الاجتہاد فاقفلوا ابوابہ و رضوا بالتقلید و عکفوا علی کتب لایوجہ فیہا روح العلم و جہلوا طرق التفکیر الحدیثہ وطرق البحت الحدیث (۵۸)

گذشتہ صدیوں میں مسلمان عمل سے بے نیاز ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ اجتہاد کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ لہذا تقلید پر راضی ہو گئے، اور ایسی کتابوں کے اسیر ہو گئے جو علم کی روح سے بیگانہ تھیں اور انہوں نے سوچ و فکر کے جدید طریقوں پر عمل کرنے سے پہلو تھی کی۔

الراغبی نے اپنے دروس میں ان آیات کو بھی موضوع بحث بنایا جو تقلید کی مخالفت اور اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتی ہیں۔

## حواشی

- ۱- المجدون فی العالم الاسلام، ۵۳۵، الشیخ الراغبی، ۵، ۱۰۳، ۳۳، الاعلام، ۷: ۳۲۳
- ۲- الشیخ الراغبی، ۱۰۳
- ۳- الشیخ الراغبی، ۵، ۱۰۳
- ۴- الشیخ الراغبی، ۶، ۱۳۸
- ۵- الشیخ الراغبی، ۶، ۱۰۳، الاعلام، ۷: ۳۲۳
- ۶- ایضاً، ۱۰۳، ۱۱۵
- ۷- ایضاً، ۱۱۷
- ۸- ایضاً، ۱۱۶
- ۹- ایضاً، ۷، ۱۱۶
- ۱۰- ایضاً، ۷، ۱۱۷
- ۱۱- الاعلام، ۷: ۳۲۳، المجدون، ۵۳۸
- ۱۲- معجم المؤلفین، ۱۳: ۳۳

- ۱۳۔ الشیخ المراغی، ۹
- ۱۴۔ المجدون، ۵۳۸
- ۱۵۔ الشیخ المراغی، ۳۰
- ۱۶۔ ایضاً، ۱۰۵، ۱۳۰
- ۱۷۔ الشیخ المراغی، ۱۳۱-۱۳۰
- ۱۸۔ الاعلام، ۷: ۳۲۳، المراغی، ۱۳، ۱۳۱
- ۱۹۔ الشیخ المراغی، ۱۳
- ۲۰۔ مجلہ الازھر، ۱۳۵۳ھ ص ۲۸۰-۲۸۱
- ۲۱۔ الشیخ المراغی، ۱۵
- ۲۲۔ الشیخ المراغی، ۲۱-۲۵، ۲۹، ۳۰
- ۲۳۔ ایضاً، ۵۳
- ۲۴۔ ایضاً، ۱۳۷
- ۲۵۔ الشیخ المراغی، ۱۳۷
- ۲۶۔ الاجتماع فی الاسلام مقدمہ، ۷
- ۲۷۔ ایضاً، ۸
- ۲۸۔ المجدون فی الاسلام، ۵۳۹
- ۲۹۔ الشیخ المراغی، ۸۰
- ۳۰۔ ایضاً، ۱۳۲
- ۳۱۔ حدیث رمضان، ۱۹، التفسیر والمفسرون، ۳: ۲۶۷
- ۳۲۔ اتجاه التفسیر فی العصر الحدیث، ۹۵، ۹۶، ۹۷
- ۳۳۔ الاعلام، ۷: ۳۲۳، الشیخ المراغی، ۲۳۹
- ۳۴۔ شیخ کی وفات پر مختلف تنظیموں اور حلقوں کی طرف سے خراج عقیدت پیش کیا گیا اور ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف کیا گیا۔ ابو الوفا المراغی نے ان تمام بیانات و تحریرات کو "الشیخ المراغی" میں جمع کر دیا ہے۔
- ۳۵۔ التفسیر والمفسرون، ۳: ۲۶۰
- ۳۶۔ حدیث رمضان، ۷
- ۳۷۔ ایضاً، ۸-۷



- ٣٨- اتجاه التفسير في العصر الحديث، ١٠٣
- ٣٩- حديث رمضان، ٣٩
- ٤٠- حديث رمضان، ٣، اتجاه التفسير، ٩٣
- ٤١- حديث رمضان، ٣٦
- ٤٢- التفسير والمفردون، ٣: ٣٦٣
- ٤٣- اتجاه التفسير، ٩٣
- ٤٤- حديث رمضان، ٢٦-٦٤، اتجاه التفسير، ٩٣-٩٥
- ٤٥- حديث رمضان، ١٥٨
- ٤٦- حديث، ١٩
- ٤٧- حديث رمضان، ١٩٣
- ٤٨- حديث رمضان، ٥٦، اتجاه التفسير، ٩٤-٩٨
- ٤٩- حديث رمضان، ١١٦
- ٥٠- حديث رمضان، ٤٤
- ٥١- مجلة الازهر، ١٣٥٤، ص ٨
- ٥٢- الشيخ الراغب، ١٣٤
- ٥٣- حديث رمضان، ١٣
- ٥٤- حديث رمضان، ١٣٣
- ٥٥- حديث رمضان، ٢٣
- ٥٦- الشيخ الراغب، ١٣٩-١٣٠
- ٥٧- الشيخ الراغب، ٢٦-٢٤
- ٥٨- الشيخ الراغب، ١٣١